

ضربِ کلیم

یعنی

اعلانِ جنگ، دورِ حاضر کے خلاف

اتہل

نہیں مقام کی خوگر طبیعت آزاد
ہوائے سیر مثال نیم پیدا کر
ہزار چشمہ ترے سنگ راہ سے پھوٹے
خودی میں ذوب کے ضرب کلیم پیدا کر

اعلیٰحضرت نواب سر جمید اللہ خاں فرمانزدائے بھوپال کی خدمت میں!

زمانہ با امم ایشیا چه کرد و کند
کے نہ بود کہ ایں داستان فرو خواند
تو صاحب نظری آنچہ در ضمیر من است
دل تو بیند و اندیشه تو می داند
گبیر ایں ہمہ سرمایہ بہار از من
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

ناظرین سے

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ
یہ زور دست و ضربت کاری کا ہے مقام
میدان جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ
خون دل و جگر سے ہے سرمایہ حیات
فطرت ، اپو ترنگ ہے غافل! نہ ، جل ترنگ

تمہید

(۱)

نہ دیر میں نہ حرم میں خودی کی بیداری
کہ خاوراں میں ہے قوموں کی روح تریاکی
اگر نہ سہل ہوں تجھ پر زمیں کے ہنگامے
بُری ہے مستی اندیشہ ہائے افلاکی
تری نجات غم مرگ سے نہیں ممکن
کہ تو خودی کو سمجھتا ہے پیکرِ خاکی
زمانہ اپنے حادث چھپا نہیں سکتا
ترا جواب ہے قلب و نظر کی ناپاکی

عطा ہوا خس و خاشاک ایشیا مجھ کو
کہ میرے شعلے میں ہے سرکشی و بے باکی!

(۲)

ترا گناہ ہے اقبال! مجلس آرائی
اگرچہ تو ہے مثال زمانہ کم پیوند
جو کوکنار کے خوگر تھے ان غریبوں کو
تری نوا نے دیا ذوق جذبہ ہائے بلند
ترپ رہے ہیں فضابائے نیلگوں کے لیے
وہ پر شکستہ کہ صحن سرا میں تھے خورسند
تری سزا ہے نواب سحر سے محرومی
مقامِ شوق و سرور و نظر سے محرومی

اسلام

اور

مسلمان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

صح☆

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شہستان وجود
ہوتی ہے بندہ مومن کی اذان سے پیدا

☆: بہوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

خودی کا تحریر نہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
خودی ہے حق، فساد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
یہ دور اپنے برائیم کی تلاش میں ہے
ضم کدھ ہے جہاں، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا
فریب سود و زیاب، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
یہ مال و دولت دنیا، یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گماں، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زیارتی
نہ ہے زماں نہ مکاں، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
 بہار ہو کہ خزان، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 اگرچہ بت ہیں جماعت کی آسمیوں میں
 مجھے ہے حکمِ ازاں، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

تن بہ تقدیر

اسی قرآن میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
 جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر
 'تن بہ تقدیر' ہے آج ان کے عمل کا انداز
 تھی نہیں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
 تھا جو 'ناخوب'، بترنج وہی 'خوب' ہوا
 کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

معراج

دے ولولہ شوق جسے لذت پرواز
کر سکتا ہے وہ ذرہ مہ و مہر کو تاراج
مشکل نہیں یاران چمن ! معربکہ باز
پر سوز اگر ہو نفس سینہ دُراج
ناوک ہے مسلمان ، ہدف اس کا ہے شریانا
ہے بزر سرا پرده جاں نکلنہ معراج
تو معنی و انجم ، نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج

ایک فلسفہ زدہ سیدزادے کے نام

ذ اپنی خودی اگر نہ کھوتا زیارتی برگسائ نہ ہوتا
تیگل کا صدف گہر سے خالی ہے اس کا طسم سب خیال
محکم کیسے ہو زندگانی! کس طرح خودی ہوا لازمانی!
آدم کو ثبات کی طلب ہے دستورِ حیات کی طلب ہے
دنیا کی عشا ہوجس سے اشراق مومن کی اذان ندائے آفاق
میں اصل کا خاص سومناتی آبا مرے لاتی و مناتی
تو سید ہاشمی کی اولاد میری کف خاک برہمن زاد
ہے فلسفہ میرے آب و گل میں پوشیدہ ہے ریشه ہائے دل میں
اقبال اگرچہ بے ہنر ہے اس کی رگ رگ سے باخبر ہے
شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز سن مجھ سے یہ نکتہ دل افروز
انجامِ خرد ہے بے حضوری ہے فلسفہ زندگی سے دوری
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت ہیں ذوقِ عمل کے واسطے موت

دیں مسلکِ زندگی کی تقویم دیں سر زِ محمد و برائیم
”دل در سخنِ محمدی بند اے پور علیٰ ز بو علی چند!

چوں دیدہ راہ میں نداری
قاید قرشی به از بخاری☆“

زمین و آسمان

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہو خزان کا
ہے سلسلہ احوال کا ہر لحظہ ڈگرگوں
اے سالکِ رہ! فکر نہ کر سود و زیاد کا
شاید کہ زمیں ہے یہ کسی اور جہاں کی
تو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا!

☆ فارسی اشعار حکیم خا تاکی کی تصنیف امراءِ قین سے ہیں

مسلمان کا زوال

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میر، تو نگری سے نہیں
اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور
قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں
سبب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے
زواں بندہ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے، تو نگری سے نہیں

علم و عشق

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تجھیں و ظن

بندہ تھیں و نہ! کرم کتابی نہ بن
عشق سراپا حضور، علم سراپا حباب!

عشق کی گری سے ہے معرکہ کائنات
علم مقام صفات، عشق تماشے ذات
عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات
علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پہاں جواب!

عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں
عشق کے ادنیٰ غلام صاحبِ تاج و نگیں
عشق مکان و مکیں، عشق زمان و زمیں
عشق سراپا یقین، اور یقین فتح باب!

شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام
شورش طوفان حلال، لذت ساحل حرام
عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام
علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے اُمّ الکتاب!

اجتہاد

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سکھے
نہ کہیں لذت کردار، نہ افکار عمیق
حلقة شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں
آہ محکومی و تقید و زوال تحقیق!
خود بدلتے نہیں، قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق!

شکروشکایت

میں بندہ ناداں ہوں، مگر شکر ہے تیرا
رکھتا ہوں نہاں خانہ لاہوت سے پیوند

اک دلوں تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند
تاثیر ہے یہ میرے نفس کی کہ خزان میں
مرغان سحر خوان مری صحبت میں ہیں خورسند
لیکن مجھے پیدا کیا اس دلیں میں تو نے
جس دلیں کے بندے ہیں غلامی پ رضا مندا

ذکر و فکر

یہ ہیں سب ایک ہی ساک کی جنجو کے مقام
وہ جس کی شان میں آیا ہے عالم الاسماء
مقام ذکر، کمالات رومی و عطار
مقام فکر، فکر، مقالات بوعلی سینا
مقام فکر ہے پیاس زمان و مکان
مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

مُلائِحَرِم

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
 تری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
 تری نماز میں باقی جمال ہے، نہ جمال
 تری اذان میں نہیں ہے مری سحر کا پیام

تقدیر

نااہل کو حاصل ہے کبھی قوت و جبروت
 ہے خوار زمانے میں کبھی جوہر ذاتی
 شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں
 تقدیر نہیں تابع منطق نظر آتی
 ہاں، ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سب کو
 تاریخِ اُم جس کو نہیں ہم سے چھپاتی

نہ لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
بڑا صفت تنی دو پکر نظر اس کی؟

توحید

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے، فقط اک مسئلہ علم کلام
روشن اس نو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو
خود مسلمان سے ہے پوشیدہ مسلمان کا مقام
میں نے اے میر پہا تیری پہ دیکھی ہے
قلن خو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
آہ! اس راز سے واقف ہے نہ مُلا، نہ فقیہ
وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام!

علم اور دین

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم
کیا ہے جس کو خدا نے دل و نظر کا ندیم
زمانہ ایک ، حیات ایک ، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری، قصہ جدید و قدیم
چمن میں تربیت غنچہ ہو نہیں سکتی
نہیں ہے قطرہ شبنم اگر شریک نہیں
وہ علم، کم بصری جس میں ہمکنار نہیں
تجالیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم!

ہندی مسلمان

غذاء وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
انگریز سمجھتا ہے مسلمان کو گداگر

پنجاب کے ارباب نبوت کی شریعت
کہتی ہے کہ یہ مومین پاریسہ ہے کافر
آوازہ حق اختا ہے کب اور کدھر سے
مسکین وکلم ماندہ دریں کشمکش اندر!

آزادی شمشیر کے اعلان پر

سوچا بھی ہے اے مرد مسلمان کبھی تو نے
کیا چیز ہے فولاد کی شمشیر جگدار
اس بیت کا یہ مصرع اول ہے کہ جس میں
پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار
ہے فکر مجھے مصرع ثانی کی زیادہ
اللہ کرے تجوہ کو عطا فقر کی تکوار
قبضے میں یہ تکوار بھی آجائے تو مومن
یا خالد جانباز ہے یا حیدر کرار

جہاد

فتوئی ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تکوار کارگر
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں؟
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود و بے اثر
تغیر و تفہیم دستِ مسلمان میں ہے کہاں
ہو بھی، تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر
کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلمان کی موت مر
تعلیم اس کو چاہیے ترکِ جہاد کی
دنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر
باطل کی فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر

ہم پوچھتے ہیں شیخ کیسا نواز سے
شرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محسپہ، یورپ سے درگزر!

قوت اور دین

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرتِ انس کی قبا چاک
تاریخِ اُمم کا یہ پیامِ ازلی ہے
‘صاحبِ نظراء! نعمَّ قوت ہے خطرناک،
اس سیلِ سبک سیر و زمینگیر کے آگے
عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشک
لا دیں ہو تو ہے زہر ہلکا سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

فقر و ملوکیت

فقر جنگاہ میں بے ساز و بیاق آتا ہے
ضرب کاری ہے، اگر سینے میں ہے قلبِ سلیم
اس کی بڑھتی ہوئی بے باکی و بے تابی سے
تازہ ہر عہد میں ہے قصہ فرعون و کلیم
اب ترا دور بھی آنے کو ہے اے فقر غیور
کھا گئی روح فرنگی کو ہواۓ زرویم
عشق و مستی نے کیا ضبطِ نفس مجھ پہ حرام
کہ گرہ غنچے کی کھلتی نہیں بے موج نیم

اسلام

روح اسلام کی ہے نورِ خودی ، نارِ خودی
زندگانی کے لیے نارِ خودی نور و حضور
یہی ہر چیز کی تقویم ، یہی اصلِ نمود
گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے مستور
لفظِ 'اسلام' سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر
دوسرा نام اسی دین کا ہے فقرِ غیوراً

حیاتِ ابدی

زندگانی ہے صدف، قرہ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گھر کر نہ سکے
ہو اگر خودگر و خودگر و خودگیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

سلطانی ☆

کے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پرده روح قرآنی
خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی
یہی مقام ہے مومن کی قوتون کا عیار
اسی مقام سے آدم ہے ظل سبحانی
یہ جبر و قهر نہیں ہے ، یہ عشق و مستی ہے
کہ جبر و قهر سے ممکن نہیں جہاں بانی
کیا گیا ہے غلامی میں بتلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی

☆ ریاض منزل (دولت کندہ دہراں مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

مثال ماه چمکتا تھا جس کا داغ وجود
خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی
ہوا حریف مہ و آفتاب تو جس سے
رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ ڈرخشنی

صوفی سے

تری نگاہ میں ہے مجذات کی دنیا
مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا
تخیلات کی دنیا غریب ہے، لیکن
غریب تر ہے حیات و ممات کی دنیا
عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہ تری
بلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا

افرگ زدہ

(۱)

ترا وجود سراپا تجھی افرنگ
کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہے تو، زرنگار و بے شمشیر!

(۲)

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا
وجود کیا ہے، فقط جوہر خودی کی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

تصوّف ☆

یہ حکمتِ ملکوتی، یہ علم لا ہوتی
 حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ ذکرِ نیم شی، یہ مراقبہ، یہ سرور
 تری خودی کے نگہداں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ عقل، جو مہ و پرویں کا کھیاتی ہے شکار
 شریکِ شورش پنهان نہیں تو کچھ بھی نہیں
 خرد نے کہہ بھی دیا 'لا الہ' تو کیا حاصل
 دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
 عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
 فروغِ صحیح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہندی اسلام

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الخاد
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوتِ بازو
آتی نہیں کچھ کام یہاں عقل خدا داد
اے مردِ خدا! تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد
مسکینی و مکحومی و نومیدی جاوید
جس کا یہ تھوف ہو وہ اسلام کر ایجاد
ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

غزل

دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے اُتوں کے مرضِ کہن کا چارہ
تراء بحر پر سکون ہے، یہ سکون ہے یا فسون ہے؟
نہ نہنگ ہے، نہ طوفان، نہ خرابی کنارہ!
تو ضمیر آسم سے ابھی آشنا نہیں ہے
نہیں بے قرار کرتا تجھے غزہ ستارہ
ترے نیتاں میں ڈالا مرے نغمہ سحر نے
مری خاک پے پر میں جو نہاں تھا اک شرارہ
نظر آئے گا اسی کو یہ جہاں دوش و فردا
جسے آگئی میر مری شوچی نظارہ

دنیا

مجھ کو بھی نظر آتی ہے یہ بوقلمونی
وہ چاند، یہ تارا ہے، وہ پھر، یہ نگیں ہے
دیتی ہے مری چشم بصیرت بھی یہ فتویٰ
وہ کوہ، یہ دریا ہے، وہ گردوں، یہ زمیں ہے
حق بات کو لیکن میں چھپا کر نہیں رکھتا
تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے، نہیں ہے!

نماز

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہیں آدم، جواں ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

وچی☆

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخيیں تو زبوں کا ر حیات
فکر بے نور ترا جذب عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شب تار حیات
خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیونکر
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات!

شکست

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں
بہانہ بے عملی کا بنی شراب است

☆ ریاض منزل (دولت کندہ سر راس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

فقیہ شہر بھی رہبانیت پر ہے مجبور
کہ معرکے میں شریعت کے جنگ دست بدست
گریز سکھش زندگی سے، مردوں کی
اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست!

عقل و دل

ہر خاکی و نوری پر حکومت ہے خرد کی
باہر نہیں کچھ عقل خدا داد کی زد سے
عالم ہے غلام اس کے جلال ازلی کا
اک دل ہے کہ ہر لمحہ الجھتا ہے خرد سے

مستی کردار

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال
ملا کی شریعت میں فقط مستی گفتار

شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق
افکار میں سرمست، نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار

قبر

مرقد کا شبستان بھی اسے راس نہ آیا
آرام قلندر کو تھے خاک نہیں ہے
خاموشی افلاک تو ہے قبر میں لیکن
بے قیدی و پہنائی افلاک نہیں ہے

قلندر کی پہچان

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرد
جاتا ہے جدھر بندۂ حق، تو بھی ادھر جا!
ہنگامے ہیں میرے تری طاقت سے زیادہ
پختا ہوا بُنگاؤ قلندر سے گزر جا
میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں گا
چڑھتا ہوا دریا ہے اگر شو تو اتر جا
توڑا نہیں جادو مری تکبیر نے تیرا؟
ہے تجھ میں مکر جانے کی جرأت تو مکر جا!

مہرو مہدا نجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

فلسفہ

افکار جوانوں کے خفیٰ ہوں کہ جلی ہوں
پوشیدہ نہیں مرد قلندر کی نظر سے
معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی
مدت ہوئی گزرا تھا اسی راہ گزر سے
الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گھبر سے!
پیدا ہے فقط حلقہ ارباب جنوں میں
وہ عقل کہ پا جاتی ہے شعلے کو شر سے
جس معنی پیچیدہ کی تصدیق کرے دل
قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ گھبر سے
یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خونِ جگر سے

مردان خدا

وہی ہے بندہ خر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری
ازل سے فطرت احرار میں ہیں دوش بدوس
قلندری و قبا پوشی و گلہ داری
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انھی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجود انھی کا طواف بتاں سے ہے آزاد
یہ تیرے مومن و کافر ، تمام زئاری!

کافر و مومن

کل ساحل دریا پہ کہا مجھ سے خضر نے
تو ڈھونڈ رہا ہے سم افرنگ کا تریاق؟

اک نکتہ مرے پاس ہے شمشیر کی مانند
بزندہ و صیقل زدہ و روشن و براق
کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!

مہدی برحق

سب اپنے بنائے ہوئے زندگی میں ہیں محبوس
خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیار
پیران کلیسا ہوں کہ شیخان حرم ہوں
نے جدتِ گفتار ہے، نے جدتِ کردار
ہیں اہل سیاست کے وہی کہنہ ختم و پیغام
شاعر اسی افلاسِ تھیل میں گرفتار
دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلہ عالم افکار

مومن جل

(دنیا میں)

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
 رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
 افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
 خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
 بچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
 جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

(جنت میں)

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن
 حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن

☆ بہبپال (شیش محل) میں لکھے گئے

محمد علی باب

تحتی خوب حضور حضور علامہ باب کی تقریر
بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعراب سملوں
اس کی غلطی پر علامہ تھے مجسم
بولا ، تمہیں معلوم نہیں میرے مقامات
اب میری امامت کے تصدق میں ہیں آزاد
محبوں تھے اعراب میں قرآن کے آیات!

تقدیر

(ابلیس ویزوں)

ابلیس

اے خدائے کن فکا! مجھ کو نہ تھا آدم سے بیر
آہ ! وہ زندانی نزدیک و دور و دیر و زود

حرف 'ا' تکبار، تیرے سامنے ممکن نہ تھا
ہاں، مگر تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود

یزدان

کب کھلا تجھ پر یہ راز، انکار سے پہلے کہ بعد؟

ابیس

بعد ! اے تیری تجلی سے کمالات وجودا

یزدان

(فرشتوں کی طرف دیکھ کر)

پستی فطرت نے سکھائی ہے یہ جست اسے
کہتا ہے 'تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود،
دے رہا ہے اپنی آزادی کو مجبوری کا نام
ظالم اپنے شعلہ سوزاں کو خود کہتا ہے دودا

(ماخوذ از گیال الدین ابن عربی)

اے روحِ محمدؐ

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا اتر
اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں، وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد
اس کوہ و بیابان سے خدی خوان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ^۱
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے!

مدحیتِ اسلام

بتاؤں تجھ کو مسلمان کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایتِ اندیشه و کمال جنوں

طلوع ہے صفتِ آناتب اس کا غروب
 لگانہ اور مثال زمانہ گونا گوں!
 نہ اس میں عصرِ رواں کی حیا سے بیزاری
 نہ اس میں عہدِ کہن کے فسانہ و افسوس
 حقائقِ ابدی پر اساس ہے اس کی
 یہ زندگی ہے، نہیں ہے ظسمِ افلاطون!
 عناصر اس کے ہیں روحِ القدس کا ذوقِ جمال
 عجم کا حسنِ طبیعت، عرب کا سوزی دروں!

امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
 حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے
 ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
 جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

موت کے آئے میں تجھ کو دکھا کر رُخ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے
دے کے احساں زیاد تیرا لہو گرمادے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تکوار کرے
فتنه ملبت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلمان کو سلاطین کا پرستار کرے!

فقر و راہبی

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمانی
تری نگاہ میں ہے ایک ، فقر و رہبانی
سکون پرستی راہب سے فقر ہے بیزار
فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی
پسند روح و بدن کی ہے وامنود اس کو
کہ ہے نہادت مومن خودی کی غریانی

وجود صیری کائنات ہے اس کا
اسے خبر ہے، یہ باقی ہے اور وہ فانی
اسی سے پوچھ کہ پیش نگاہ ہے جو کچھ
جہاں ہے یا کہ فقط رنگ و بو کی طغیانی
یہ فقر مرد مسلمان نے کھو دیا جب سے
رہی نہ دولتِ سلمانی و سلیمانی

غزل

تیری متاع حیات، علم و ہنر کا سرور
میری متاع حیات ایک دل ناصورا!
مجزہ اہل فکر، فلسفہ یقین
مجزہ اہل ذکر، موسیٰ و فرعون و طور
مصلحت کہہ دیا میں نے مسلمان تجھے
تیرے نفس میں نہیں، گرمی یوم النشور

ایک زمانے سے ہے چاک گریاں مرا
تو ہے بھی ہوش میں، میرے جنوں کا قصورا!
فیضِ نظر کے لیے ضبطِ سخن چاہیے
حرفِ پریشان نہ کہہ اہلِ نظر کے حضور
خوارِ جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
عشق ہو جس کا جسور، فقر ہو جس کا غیور

تسلیم و رضا

ہر شاخ سے یہ نکتہ پیچیدہ ہے پیدا
پودوں کو بھی احساس ہے پہنانے فضا کا
ظلمت کدہ خاک پہ شاکر نہیں رہتا
ہر لحظہ ہے دانے کو جنوں نشوونما کا
فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راوِ عمل بند
مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

جرأت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مرد خدا، ملک خدا تنگ نہیں ہے!

نکتہ توحید

بیان میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے
وہ رمز شوق کہ پوشیدہ لالہ میں ہے
طریق شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہیے
سُرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے
جہاں میں بندہ خر کے مشاہدات ہیں کیا
تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے
مقام فقر ہے کتنا بلند شاہی سے
روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہیے!

الہام اور آزادی

ہو بندہ آزاد اگر صاحبِ الہام
ہے اس کی نگہ فکر و عمل کے لیے مہیز
اس کے نفس گرم کی تاثیر ہے ایسی
ہو جاتی ہے خاکِ چمنستان شر آمیز
شاہیں کی ادا ہوتی ہے بلبل میں نمودار
کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغانِ سحر خیز!
اس مردِ خود آگاہ ، خدمت کی صحبت
دیتی ہے گداوں کو شکوہ جم و پرویز
محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

جان و تن

عقل مدت سے ہے اس پیچاک میں آجھی ہوئی
روح کس جوہر سے، خاک تیرہ کس جوہر سے ہے
میری مشکل، مستقی و شور و سرور و درد و داغ
تیری مشکل، مے سے ہے ساغر کہ مے ساغر سے ہے
ارتباط حرف و معنی، اختلاطِ جان و تن
جس طرح انگر قبا پوش اپنی خاکستر سے ہے!

لاہور و کراچی

نظر اللہ پر رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے، فقط عالمِ معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیتِ اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خون جن کا حرم سے بڑھ کر

آہا اے مرد مسلمان تجھے کیا یاد نہیں
حرف لا تدع مع اللہ الھا آخر

نبوٰت

میں نہ عارف ، نہ مجدہ نہ محدث نہ فقیہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں، مگر عالمِ اسلام پر رکھتا ہوں نظر
فاش ہے مجھ پر ضمیرِ فلکِ نیلی فام
عصرِ حاضر کی شبِ تار میں دیکھی میں نے
یہ حقیقت کہ ہے روشن صفتِ ما و تمام
”وہ نبوت ہے مسلمان کے لیے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام“

آدم

طلسم بود و عدم، جس کا نام ہے آدم
خدا کا راز ہے، قادر نہیں ہے جس پر تھن
زمانہ صحیح ازل سے رہا ہے محو سفر
مگر یہ اس کی تگ و دو سے ہو سکا نہ کہن
اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں
وجود حضرت انساں نہ روح ہے نہ بدن،!

ملکہ اور جنیوا

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوتی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدتِ آدم
تفريق مل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم

ملے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کے جمعیت آدم!

اے پیر حرم

اے پیر حرم! رسم و رہ خانہ چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھ تیرے جوانوں کو سلامت!
دے ان کو سبق خود شکنی ، خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارا شگانی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انھیں فن شیشه گری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشان نظری کا
کہہ جاتا ہوں میں زور جنوں میں ترے اسرار
مجھ کو بھی صلہ دے مری آشنا سری کا!

مہدی

قوموں کی حیات ان کے تخيیل پر ہے موقوف
یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغ چمن کو
مجذوب فرنگی نے بہ اندازِ فرنگی
مہدی کے تخيیل سے کیا زندہ وطن کو
اے وہ کہ تو مہدی کے تخيیل سے ہے بیزار
نومید نہ کر آہوئے مشکلیں سے ختن کو
ہو زندہ کفن پوش تو میت اسے سمجھیں
یا چاک کریں مردک ناداں کے کفن کو؟

مردِ مسلمان

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی بڑھان!
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بتا ہے مسلمان
ہمسایہ جبریل امیں بندہ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن!
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دل جائیں، وہ طوفان

فطرت کا سروہ ازی اس کے شب و روز
آہنگ میں کیتا صفت سورہ حمّن
بنتے ہیں مری کارگہ فکر میں انجم
لے اپنے مقدار کے ستارے کو تو پہچان!

پنجابی مسلمان

نمہب میں بہت تازہ پند اس کی طبیعت
کر لے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخ نشیمن سے اُرتتا ہے بہت جلد

آزادی

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے
حریت افکار کی نعمت ہے خدا داد
چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدہ پارس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد
قرآن کو بازیجھہ تاویل بنانا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد
ہے مملکت ہند میں اک طرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس ، مسلمان ہے آزاد !

اشاعتِ اسلام فرنگستان میں

ضمیر اس مدینت کا دیں سے ہے خالی
فرنگیوں میں اخوت کا ہے نب پ قیام

بلند تر نہیں انگریز کی نگاہوں میں
قبول دین مسیحی سے بہمن کا مقام
اگر قبول کرے، دینِ مصطفیٰ، انگریز
سیاہ روز مسلمان رہے گا پھر بھی غلام

لَا وَاللّٰهُ

فضائے نور میں کرتا نہ شاخ و بر پیدا
سفر خاکی شبستان سے نہ کر سکتا اگر دانہ
نہاد زندگی میں ابتدا 'لا'، انتہا 'لا'
پیامِ موت ہے جب 'لا' ہوا 'لا' سے بیگانہ
وہ ملت روح جس کی 'لا' سے آگے بڑھ نہیں سکتی
یقین جانو، ہوا لبریز اس ملت کا پیکانہ

امراۓ عرب سے ☆

کرے یہ کافر ہندی بھی جرأتِ گفتار
اگر نہ ہو امراء عرب کی بے ادبی!
یہ نکتہ پہلے سکھایا گیا کس امت کو؟
وصالِ مصطفوی ، افراق بولبھی!
نہیں وجود حدود و شغور سے اس کا
محمدؐ عربی سے ہے عالم عربی!

احکام الٰہی

پابندی تقدیر کہ پابندی احکام!
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مرد خرد مند

☆۔ بھوپال شیش محل میں لکھے گئے

اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے اقدیر
ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش ، ابھی خورسند
اقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

موت

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
اگر ہو زندہ تو دل ناصور رہتا ہے
مہ و ستارہ ، مثال شرارہ یک دو نفس
مئے خودی کا ابد تک سور رہتا ہے
فرشته موت کا چھوٹا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے!

قُم باذن اللہ

جہاں اگرچہ دگر گوں ہے ، قُم باذن اللہ
وہی زمیں ، وہی گرد़وں ہے ، قُم باذن اللہ
کیا نوابے 'ان الحق' کو آتشیں جس نے
تری رگوں میں وہی ٹوں ہے ، قُم باذن اللہ
شمیں نہ ہو کہ پرائندہ ہے شعور ترا
فرنگیوں کا یہ افسوں ہے ، قُم باذن اللہ

تعلیم و تربیت

مقصود حُجَّۃ

(سپنوza)

نظرِ حیات پر رکھتا ہے مردِ دانشِ مند
حیات کیا ہے، حضور و سرور و نور و وجود

(فلاطون)

نگاہِ موت پر رکھتا ہے مردِ دانشِ مند
حیات ہے شبِ تاریک میں شر کی نمود
حیات و موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی کی نگاہ کا مقصود

☆: بیاضِ منزل (دولتِ کندہ سر راسِ مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

زمانہ حاضر کا انسان

دُعشق ناپید و خرد میگزدش صورت مار
عقل کو تابع فرمان نظر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گا ہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں البحا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا!

اقوامِ مشرق

نظر آتے نہیں بے پرده حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محاکومی و تقلید سے کور

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مدتیت کہ جو ہے خود بپ گورا!

آگاہی

نظر پھر پڑھتا ہے جو ستارہ شناس
نہیں ہے اپنی خودی کے مقام سے آگاہ
خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا
وہی ہے مملکت صح و شام سے آگاہ
وہی نگاہ کے ناخوب و خوب سے محروم
وہی ہے دل کے حلال و حرام سے آگاہ

مُصلحین مشرق

میں ہوں نومید تیرے ساقیان سامری فن سے
کہ بزم خاوراں میں لے کے آئے ساتگیں خالی

نئی بجلی کہاں ان بادلوں کے جیب و دامن میں
پرانی بجلیوں سے بھی ہے جن کی آستین خالی!

مغربی تہذیب

فیض قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدئیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

اسرار پیدا

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد
ناچیزِ جہان مہ و پرویں ترے آگے
وہ عالمِ مجبور ہے ، تو عالم آزاد

موجوں کی تپش کیا ہے ، فقط ذوق طلب ہے
پہاں جو صدف میں ہے ، وہ دولت ہے خدا داد
شاہیں کبھی پرواز سے تحک کر نہیں گرتا
پُر دم ہے اگر تو تو نہیں خطرہ افتاد

سلطان ٹپو کی وصیت

تو رہ نور د شوق ہے ، منزل نہ کر قبول
لیلی بھی ہم نہیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صنم کدھہ کائنات میں
محفل گداز ! گری محفل نہ کر قبول
سچ ازل یہ مجھ سے کہا جبریل نے
جو عقل کا غلام ہو ، وہ دل نہ کر قبول

باطلِ دوئی پسند ہے ، حق لا شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول!

غزل

نہ میں انجمنی نہ ہندی ، نہ عراقی و حجازی
کہ خودی سے میں نے سیکھی دو جہاں سے بے نیازی
تو مری نظر میں کافر ، میں تری نظر میں کافر
ترا دیں نفس شماری ، مرا دیں نفس گدازی
تو بدل گیا تو بہتر کہ بدل گئی شریعت
کہ موافق تدروائی نہیں دین شاہبازی
ترے دشت و در میں مجھ کو وہ بجھوں نظر نہ آیا
کہ سکھا سکے خرد کو رہ و رسم کارسازی
نہ جدا رہے نوا گرتبا و تاب زندگی سے
کہ ہلاکی اُمم ہے یہ طریق نے نوازی

بیداری

جس بندہ حق میں کی خودی ہوگئی بیدار
شمشیر کی مانند ہے بُرندہ و بُراق
اس کی نگہ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار
ہر ذرے میں پوشیدہ ہے جو قوت اشراق
اس مرد خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو
تو بندہ آفاق ہے ، وہ صاحب آفاق
تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی
وہ پاکی فطرت سے ہوا محرم اعماق

خودی کی تربیت

خودی کی پروش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ مشت خاک میں پیدا ہو آتش بھے سوز

یہی ہے بزرگ علمی ہر اک زمانے میں
ہوائے دشت و شعیب و شبی شب و روزا!

آزادی فکر

آزادی افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبیر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ!

خودی کی زندگی

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجھ و طغڑ سے کم شکوہ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بے کراس پایا ب
خودی ہو زندہ تو کھسار پر نیان و حریر

نہنگِ زندہ ہے اپنے محیط میں آزاد
نہنگِ مردہ کو موج سراب بھی زنجیرا

حکومت☆

ہے مریدوں کو تو حق بات گوارا لیکن
شیخ و ملا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے مناع کردار
بجٹ میں آتا ہے جب فلسفہ ذات و صفات
گرچہ اس دیر کہن کا ہے یہ دستور قدیم
کہ نہیں سے کدھ و ساتھ و مینا کو ثبات
قسمت بادھ مگر حق ہے اُسی ملت کا
انگیں جس کے جوانوں کو ہے تناوب حیات!

☆: ریاض منزل (دولت کندہ در راس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

ہندی مکتب

اقبال! یہاں نام نہ لے علم خودی کا
موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات
بہتر ہے کہ بیچارے ممدوں کی نظر سے
پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات
آزاد کی اک آن ہے ملکوم کا اک سال
کس درجہ گراں سیر ہیں ملکوم کے اوقات!
آزاد کا ہر لحظہ پیامِ ادبیت
ملکوم کا ہر لحظہ نئی مرگِ مفاجات
آزاد کا اندیشہ حقیقت سے متور
ملکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات
ملکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی
موسیقی و صورت گری و علم نباتات!

تربیت

زندگی کچھ اور شے ہے ، علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوز جگر ہے ، علم ہے سوز دماغ
علم میں دولت بھی ہے ، قدرت بھی ہے ، لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ
اہل دانش عام ہیں ، کم یاب ہیں اہل نظر
کیا تعجب ہے کہ خالی رہ گیا تیرا ایا غ!
شیخ مکتب کے طریقوں سے کشاو دل کھاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بخلی کا چراغ!

خوب و زشت

ستارگان فضائی نیکوں کی طرح
 تخلیقات بھی ہیں تاب طلوع و غروب
 جہاں خودی کا بھی ہے صاحبِ فراز و نشیب
 یہاں بھی معرکہ آرا ہے خوب سے ناخوب
 نمود جس کی فرازِ خودی سے ہو ، وہ جمیل
 جو ہو نشیب میں پیدا ، فتح و نامحرب!

مرگِ خودی

خودی کی موت سے مغرب کا اندرؤں بے نور
 خودی کی موت سے مشرق ہے بتائے جدام
 خودی کی موت سے روحِ عرب ہے بے تب و تاب
 بدن عراق و عجم کا ہے بے عروق و عظام

خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر
نفس ہوا ہے حلال اور آشیانہ حرام!
خودی کی موت سے پیر حرم ہوا مجبور
کہ پیچ کھائے مسلمان کا جانشہ احرام!

مہمانِ عزیز

پڑ ہے افکار سے ان مدرسے والوں کا ضمیر
خوب و ناخوب کی اس دور میں ہے کس کو تمیز!
چاہیے خانہ دل کی کوئی منزل خالی
شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمانِ عزیز!

عصرِ حاضر

پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی
اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مردہ ، لا دنی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام!

طالب علم

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!

امتحان

کہا پہاڑ کی ندی نے سنگ ریزے سے
فتادگی و سرا فگندگی تری معراج!

ترا یہ حال کہ پامال و درد مند ہے تو
مری یہ شان کہ دریا بھی ہے مرا محتاج
جہاں میں تو کسی دیوار سے نہ نکریا
کے خبر کہ تو ہے سنگ خارہ یا کہ ژجان!

مدرسہ

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا ، جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکرِ معاش
دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا
زندگی موت ہے، کھو دیتی ہے جب ذوق خراش
اس بخوبی سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش
فیضِ فطرت نے تجھے دیدہ شاہیں بخشنا
جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہِ نحشا

درست نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوت کوہ و بیابان میں وہ اسرار ہیں فاش

حکیم نطشہ

حریف نکتہ توحید ہو سکا نہ حکیم
نگاہ چاہیے اسرار لا الہ کے لیے
خدنگ سینہ گردوں ہے اس کا فکر بلند
کمند اس کا تجھیل ہے مہرو مہ کے لیے
اگرچہ پاک ہے طینت میں راہبی اس کی
ترس رہی ہے مگر لذت گنہ کے لیے

اساتذہ

مقصد ہو اگر تربیت لعل بدخشاں
بے سود ہے بھلکے ہوئے خورشید کا پر تو

دنیا ہے روایات کے پھندوں میں گرفتار
کیا مدرسہ ، کیا مدرسے والوں کی تگ و دوا!
کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی اامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیردا!

غزل

ملے گا منزل مقصود کا اُسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ
میر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے بندہ خر کے لیے جہاں میں فراغ
فروغِ مغربیاں خیرہ کر رہا ہے تجھے
تری نظر کا نگہبائیں ہو صاحب 'مازاغ'
وہ بزم عیش ہے مہماں یک نفس وو نفس
چمک رہے ہیں مثال ستارہ جس کے ایاغ

کیا ہے تجھ کو کتابوں نے کور ذوق اتنا
صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوئے گل کا سراغ!

دین و تعلیم

مجھ کو معلوم ہیں پیرانِ حرم کے انداز
ہو نہ اخلاص تو دعوئے نظر لاف و گزار
اور یہ ابِ کیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مرقت کے خلاف
اس کی تقدیر میں محاکومی و مظلومی ہے
قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف
فطرت افراد سے انماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

جاوید سے

(۱)

غارت گر دیں ہے یہ زمانہ ہے اس کی نہاد کافرانہ
دربار شہنشہی سے خوشنہ مردان خدا کا آستانہ
لیکن یہ دور ساحری ہے انداز ہیں سب کے جاؤوانہ
سرچشمہ زندگی ہوا خشک باقی ہے کہاں نے شبانہ
خالی ان سے ہوا دبتاں تھی جن کی نگاہ تازیانہ
جس گھر کا مگر چراغ ہے تو ہے اس کا مذاق عارفانہ
جو ہر میں ہو 'لا الہ' تو کیا خوف تعلیم ہو گو فرنگیانہ
شاخ گل پر چپک لیکن کر اپنی خودی میں آشیانہ
وہ بھر ہے آدمی کہ جس کا ہر قطرہ ہے بھر بیکرانہ
دہقان اگر نہ ہوتا آسائ ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ
”غافل منشیں نہ وقتِ بازی است وقتِ ہنراست و کارسازی است“

(۲)

سینے میں اگر نہ ہو دل گرم رہ جاتی ہے زندگی میں خامی
چھپیر اگر ہو زیرک و چست آتی نہیں کام کہنہ دای
ہے آبِ حیات اسی جہاں میں شرط اس کے لیے ہے تشنہ کامی
غیرت ہے طریقتِ حقیقی غیرت سے ہے فقر کی تمامی
اے جان پدر انہیں ہے ممکن شاہیں سے تدروکی غلامی
نایاب نہیں متاع گفتار صد انوری و ہزار جائی!
ہے میری بساط کیا جہاں میں بس ایک فغانِ زیرِ باعی
اک صدق مقاول ہے کہ جس سے میں پشمِ جہاں میں ہوں گرامی
اللہ کی دین ہے ، جسے دے میراث نہیں بلند نامی
اپنے نورِ نظر سے کیا خوب فرماتے ہیں حضرتِ نظامی
”جائے کہ بزرگ باید ت بود فرزندی من نداردت سود“

(۳)

مومن پگراں ہیں یہ شب و روز دین و دولت ، قمار بازی!
ناپید ہے بندہ عمل مت
بہت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر
اس فقر سے آدمی میں پیدا
گنجشک و حمام کے لیے موت
روشن اس سے خرد کی آنکھیں
حاصل اس کا شکوہ محمود
تیری دنیا کا یہ سرافیل
ہے اس کی نگاہ عالم آشوب
یہ فقر غیور جس نے پایا
مومن کی اسی میں ہے امیری

باقی ہے فقط نفس درازی
جس فقر کی اصل ہے ججازی
الله کی شان ہے نیازی
ہے اس کا مقام شاہبازی
بے سرمه بوعلی و رازی
فطرت میں اگر نہ ہو ایازی
رکھتا نہیں ذوق نے نوازی
درپرده تمام کارسازی
بے تغ و سناء ہے مرد غازی
الله سے مانگ یہ فقیری

عورت

مردِ فرنگ

ہزار بار حکیموں نے اس کو سمجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پر ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

ایک سوال

کوئی پوچھئے حکیم یورپ سے
ہند و یونان ہیں جس کے حلقة بگوش

بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدود سے
ہو جاتے ہیں افکار پر اگنده و اپتر
آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرہ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر
خلوت میں خودی ہوتی ہے خودگیر ، و لیکن
خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسر!

عورت

وجود زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دڑوں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکون
مکالماتِ فلاطون نہ لکھ سکی ، لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطون

آزادی نساں

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے ، وہ قند
کیا فائدہ ، کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے یہ تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
محجور ہیں ، معدود ہیں ، مردانِ خرد مند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادی نساں کہ زمزد کا گلو بند!

عورت کی حفاظت

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد

نے پرده ، نہ تعلیم ، نہی ہو کہ پرانی
نوائیت زن کا نگہداں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

عورت اور تعلیم

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ اموات
ہے حضرتِ انس کے لیے اس کا شر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نا زن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت

عورت

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپ غم کا یہی نکتہ شوق
آتشیں ، لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرارِ حیات
گرم اسی آگ سے ہے معمرکہ بود و نبود
میں بھی مظلومی نواں سے ہوں غم ناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدہ مشکل کی کشودا

ادبیات

(فنون لطیفه)

دین و ہنر

سرود و شعر و سیاست ، کتاب و دین و ہنر
گھر ہیں ان کی گرہ میں تمام یک دانہ
ضمیر بندہ خاکی سے ہے نمود ان کی
بلند تر ہے ستاروں سے ان کا کاشانہ
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ
ہوئی ہے زیرِ نلک امتوں کی رسوانی
خودی سے جب ادب و دیس ہوئے ہیں بیگانہ

تحقیق

جہاں تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا
خودی میں ذوبنے والوں کے عزم و ہمت نے
اس آبجو سے کیے بحر بے کراس پیدا
وہی زمانے کی گردوں پر غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمر جاؤ داں پیدا
خودی کی موت سے مشرق کی سر زمینوں میں
ہوا نہ کوئی خدائی کا راز داں پیدا
ہوائے دشت سے بوئے رفاقت آتی ہے
عجب نہیں ہے کہ ہوں میرے ہم عنان پیدا

بُجُون

زجاج گر کی ڈکاں شاعری و مُلائی
ستم ہے ، خوار پھرے دشت و در میں دیوانہ!
کے خبر کہ بُجُون میں کمال اور بھی ہیں
کریں اگر اسے کوہ و کمر سے بیگانہ
ہجوم مدرسہ بھی سازگار ہے اس کو
کہ اس کے واسطے لازم نہیں ہے ویرانہ

اپنے شعر سے

ہے گلہ مجھ کو تری لذت پیدائی کا
تو ہوا فاش تو ہیں اب مرے اسرار بھی فاش
شعلے سے ٹوٹ کے مثل شر آوارہ نہ رہ
کر کسی سینہ پر سوز میں خلوت کی تلاش!

پیرس کی مسجد

مری نگاہِ کمال بھر کو کیا دیکھے
کہ حق سے یہ حرمِ مغربی ہے بیگانہ
حرم نہیں ہے ، فرنگی کرشمہ بازوں نے
تنِ حرم میں پھپا دی ہے روح بت خانہ
یہ بُت کدھ انجھی غارت گروں کی ہے تعمیر
 دمشق ہاتھ سے جن کے ہوا ہے ویرانہ

ادبیات

عشق اب پیروی عقل خدا داد کرے
آبرو کوچہ جاناں میں نہ بر باد کرے
کہنہ پیکر میں نئی روح کو آباد کرے
یا گھن روح کو تقلید سے آزاد کرے

نگاہ ☆

بہار و قافلہ لالہ ہائے صحرائی
شاب و مستی و ذوق و سرود و رعنائی!
اندھیری رات میں یہ چشمکشیں ستاروں کی
یہ بحر، یہ فلک نیلگوں کی پہنائی!
سفر عروس قمر کا عماری شب میں
طلوع مہر و سکوت سپری یینائی!
نگاہ ہو تو بہائے نظارہ کچھ بھی نہیں
کہ پیچتی نہیں فطرت جمال و زیبائی!

☆: ریاض منزل (دولت کردہ سر راس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

مسجد قوت الاسلام

ہے مرے سینہ بے نور میں اب کیا باقی
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَفْرَدٌ وَّ بَيْتُ ذوقِ نَمُود
چشمِ فطرت بھی نہ پہچان سکے گی مجھ کو
کہ ایا زی سے دُگر گوں ہے مقامِ محمود
کیوں مسلمان نہ جعل ہو تری سنگینی سے
کہ غلامی سے ہوا مثلِ زجاج اس کا وجود
ہے تری شان کے شایاں اسی مومن کی نماز
جس کی تکبیر میں ہو معرکہ بود و نبود
اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت ، وہ گداز
بے تب و تاب درُون میری صلوٰۃ اور درُود
ہے مری بانگِ اذان میں نہ بلندی ، نہ شکوه
کیا گوارا ہے تجھے ایسے مسلمان کا وجود؟

تیاتر

تری خودی سے ہے روشن ترا حريم وجود
حیات کیا ہے ، اسی کا سور و سوز و ثبات
بلند تر مہ و پرویں سے ہے اسی کا مقام
اسی کے نور سے پیدا ہیں تیرے ذات و صفات
حريم تیرا ، خودی غیر کی ! معاذ اللہ
دوبارہ زندہ نہ کر کاروبار لات و منات
یہی کمال ہے تمثیل کا کہ تو نہ رہے
رہا نہ تو تو نہ سوز خودی ، نہ ساز حیات

شاعرِ امید

(۱)

سورج نے دیا اپنی شاعروں کو یہ پیغام
دنیا ہے عجب چیز ، کبھی صح کبھی شام
مدت سے تم آوارہ ہو پہنانے فضا میں
برہستی ہی چلی جاتی ہے بے مہری تیام
نے ریت کے ذریعوں پہ چکنے میں ہے راحت
نے مثل صبا طوف گل و لالہ میں آرام
پھر میرے تتجی کدہ دل میں سما جاؤ
چھوڑو چمنستان و بیان و در و بام

(۲)

آفاق کے ہر گوشے سے اٹھتی ہیں شعاعیں
 پچھرے ہوئے خورشید سے ہوتی ہیں ہم آنکوش
 اک شور ہے ، مغرب میں آجالا نہیں ممکن
 افرنگ مشینوں کے دھویں سے ہے یہ پوش
 مشرق نہیں گو لذتِ نظارہ سے محروم
 لیکن صفتِ عالم لاہوت ہے خاموش
 پھر ہم کو اسی سینہ روشن میں چھپا لے
 اے مہر جہاں تاب ! نہ کر ہم کو فراموش

(۳)

اک شوخ کرن ، شوخ مثالِ نگہِ نہود
 آرام سے فارغ ، صفتِ جوہر سیما ب
 بولی کہ مجھے رخصتِ تنوری عطا ہو
 جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب

چھوڑوں گی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
جب تک نہ انھیں خواب سے مردان گرائ خواب
خاور کی امیدوں کا یہی خاک ہے مرکز
اقبال کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب
چشم مہ و پویں ہے اسی خاک سے روشن
یہ خاک کہ ہے جس کا خزف ریزہ درناب
اس خاک سے اٹھے ہیں وہ غواص معانی
جن کے لیے ہر بھر پر آشوب ہے پایاب
جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں
محفل کا وہی ساز ہے بیگانہ مضراب
بت خانے کے دروازے پر سوتا ہے برہمن
اقدریہ کو روتا ہے مسلمان شہ محراب
مشرق سے ہو بیزار ، نہ مغرب سے خذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کرا

امید حلب

مقابلہ تو زمانے کا خوب کرتا ہوں
اگرچہ میں نہ سپاہی ہوں نے امیر جنود
مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور
عطایا ہوا ہے مجھے ذکر و فکر و جذب و سروود
جبین بندہ حق میں نمود ہے جس کی
اسی جلال سے لبریز ہے ضمیر وجود
یہ کافری تو نہیں ، کافری سے کم بھی نہیں
کہ مرد حق ہو گرفتار حاضر و موجود
غمیں نہ ہو کہ بہت دور ہیں ابھی باقی
خنے ستاروں سے خالی نہیں سپر کبود

نگاہِ شوق

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا
کہ ذرے ذرے میں ہے ذوق آشکارائی
کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبار جہاں
نگاہِ شوق اگر ہو شریک پیمائی
اسی نگاہ سے مکوم قوم کے فرزند
ہوئے جہاں میں سزاوار کار فرمائی
اسی نگاہ میں ہے قاہری و جباری
اسی نگاہ میں ہے دبیری و رعنائی
اسی نگاہ سے ہر ذرے کو ، بخوب میرا
سکھا رہا ہے رہ و رسم دشت پیمائی
نگاہِ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسائی

اہل ہنر سے

مہر و مہ و مشتری ، چند نفس کا فروغ
عشق سے ہے پاندار تیری خودی کا وجود
تیرے حرم کا ضمیر اسود و احر سے پاک
نگ ہے تیرے لیے سرخ و سپید و کبود
تیری خودی کا غیاب معرکہ ذکر و فکر
تیری خودی کا حضور عالم شعر و سرود
روح اگر ہے تری رنج غلامی سے زار
تیرے ہنر کا جہاں دیں و طواف و سجود
اور اگر باخبر اپنی شرافت سے ہو
تیری پہ انس و جن ، تو ہے امیر بخودا

غزل

دریا میں موتی ، اے موج بے باک
ساحل کی سوگات ! خاروش و خاک
میرے شر میں بھلی کے جوہر
لیکن نیتاں تیرا ہے نم ناک
تیرا زمانہ ، تاثیر تیری
ناہا ! نہیں یہ تاثیر افلاک
ایسا جوں بھی دیکھا ہے میں نے
جس نے سے ہیں تقدیر کے چاک
کامل وہی ہے رندی کے فن میں
مستی ہے جس کی بے منت تاک
رکھتا ہے اب تک مجھانہ شرق
وہ ہے کہ جس سے روشن ہو اور اک

اہل نظر ہیں یورپ سے نومید
ان امتوں کے باطن نہیں پاک

وجود

اے کہ ہے زیر نلک مثل شر تیری نمود
کون سمجھائے تجھے کیا ہیں مقامات وجودا
گر بئر میں نہیں تعمیر خودی کا جوہر
وائے صورت گری و شاعری و نائے و سرودا
مکتب و مے کدہ جز درس نبودن ندھند
بودن آموز کہ ہم باشی و ہم خواہی بود

سرود

آیا کہاں سے نالہ نے میں سرود مے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوب نے

دل کیا ہے ، اس کی مسٹی و قوت کہاں سے ہے
کیوں اس کی اک نگاہ الٹی ہے تخت کے
کیوں اس کی زندگی سے ہے اقوام میں حیات
کیوں اس کے واردات بدلتے ہیں پے بہ پے
کیا بات ہے کہ صاحبِ دل کی نگاہ میں
چھتی نہیں ہے سلطنتِ روم و شام و رے
جس روز دل کی رمزِ معشی سمجھ گیا
سمجو تمام مرحلہ ہائے ہنر ہیں طے

شیم و شبنم

شیم

انجم کی فضا تک نہ ہوئی میری رسائی
کرتی رہی میں پیر ہم لالہ و گھل چاک

مجور ہوئی جاتی ہوں میں ترک وطن پر
بے ذوق ہیں بلبل کی نوا ہائے طرب ناک
دونوں سے کیا ہے تجھے تقدیر نے محروم
خاکِ چمن اچھی کہ سرا پردہ افلاک!

شبہم

کھینچیں نہ اگر تجھ کو چمن کے خس و خاشک
گلشن بھی ہے اک بزر سرا پردہ افلاک

اہرام مصر

اس دشتِ جگر تاب کی خاموش فضا میں
فطرت نے فقط ریت کے نیلے کیے تغیر
اہرام کی عظمت سے گنوں سار ہیں افلاک
کس ہاتھ نے کھینچی ابدیت کی یہ تصورا!

فطرت کی غلامی سے کر آزاد بُنر کو
صیاد ہیں مردان بُنر مند کہ پچیر !

خلوقات بُنر

ہے یہ فردوسِ نظرِ اہل بُنر کی تعمیر
فash ہے جسمِ تماشا پہ نہاں خانہ ذات
نہ خودی ہے ، نہ جہاں سحر و شام کے دور
زندگانی کی حریفانہ کشکاش سے نجات
آہ ، وہ کافر بیچارہ کہ ہیں اس کے صنم
عصرِ رفتہ کے وہی کوئی ہوئے لات و منات!
تو ہے میت ، یہ بُنر تیرے جنازے کا امام
نظر آئی جسے مرقد کے شبستان میں حیات!

اقبال

فردوس میں روئی سے یہ کہتا تھا سنائی
 مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ، وہی آش
 حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر
 اک مرد قلندر نے کیا رازِ خودی فاش!

فتوں لطیفہ

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
 جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے ، وہ نظر کیا
 مقصود ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے
 یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شر کیا
 جس سے دل دریا متلاطم نہیں ہوتا
 اے قطرہ نیساں وہ صدف کیا ، وہ گھر کیا

شاعر کی نوا ہو کہ معنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا
بے مجذہ دنیا میں ابھرتی نہیں تو میں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ بُنر کیا!

صحیح چمن

پھول

شاید تو صحیحتی تھی وطن دور ہے میرا
اے قاصدِ افلاک! نہیں ، دور نہیں ہے

شبہم

ہوتا ہے مگر محنت پرواز سے روشن
یہ نکتہ کہ گردوں سے زمیں دور نہیں ہے

صحیح

مانند سحرِ صحیح گلتاں میں قدم رکھ
آئے تھے پا گوہر شبنم تو نہ نوٹے
ہو کوہ و بیاباں سے ہم آغوش ، و لیکن
ہاتھوں سے ترے دامنِ افلاک نہ پھوٹے!

خاقانی

وہ صاحبِ تختۂ العراقین، اربابِ نظر کا قرۂ اعین
ہے پرده شگاف اس کا اور اک پرداۓ ہیں تمام چاک در چاک
خاموش ہے عالمِ معانی کہتا نہیں حرفِ ”لن ترانی“!
پوچھا اس سے یہ خاک داں ہے کیا چیز ہنگامہ این و آس ہے کیا چیز
وہ محرومِ عالمِ مکافات اک بات میں کہہ گیا ہے سوبات
”خود بوئے چنیں جہاں تو اس بڑا کا بلیس بماند و بوالبشر مردا!“

رومی

غلط نگر ہے تری چشم نیم باز اب تک
ترا وجود ترے واسطے ہے راز اب تک
ترا نیاز نہیں آشنا ناز اب تک
کہ ہے قیام سے خالی تری نماز اب تک
گستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک
کہ تو ہے نغمہ رومی سے بے نیاز اب تک!

حدّت

دیکھے ٹو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
افلاک م سور ہوں ترے نور سحر سے
خورشید کرے کب ضیا تیرے شر سے
ظاہر تری اقدیر ہو سیما قمر سے

دریا متناطم ہوں تری موج ٹھہر سے
شرمندہ ہو فطرت ترے اعجاز بُنر سے
انیار کے افکار و تخيّل کی گدائی!
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

مرزا بیدل

ہے حقیقت یا مری چشم غلط میں کا فساد
یہ زمیں، یہ دشت، یہ کھسار، یہ چڑخ کبود
کوئی کہتا ہے نہیں ہے، کوئی کہتا ہے کہ ہے
کیا خبر، ہے یا نہیں ہے تیری دنیا کا وجود!
میرزا بیدل نے کس خوبی سے کھولی یہ گرہ
اہل حکمت پر بہت مشکل رہی جس کی کشودا!
”دل اگر میداشت وسعت بے نشاں بود ایں چمن
رنگ مے بیرون نشدت از بکہ مینا تنگ بود“

جلال و جمال

مرے لیے ہے فقط زورِ حیدری کافی
ترے نصیب فلاطون کی تیزی ادراک
مری نظر میں یہی ہے جمال و زیبائی
کہ سر بسجہ ہیں قوت کے سامنے افلاک
نہ ہو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر
زا نفس ہے اگر نغمہ ہو نہ آتش ناک
مجھے سزا کے لیے بھی نہیں قبول وہ آگ
کہ جس کا شعلہ نہ ہو تند و سرکش و بے باک!

مصور

کس درجہ یہاں عام ہوئی مرگِ تخیل
ہندی بھی فرنگی کا مقلد ، عجمی بھی !

مجھ کو تو یہی غم ہے کہ اس دور کے بہزاد
کھو بیٹھے ہیں مشرق کا سرور ازلی بھی
معلوم ہیں اے مرد ہنر تیرے کمالات
صنعت تجھے آتی ہے پرانی بھی ، نئی بھی
فطرت کو دکھایا بھی ہے ، دیکھا بھی ہے تو نے
آئینہ فطرت میں دکھا اپنی خودی بھی!

سرودِ حلال

کھل تو جاتا ہے مقتنی کے بم و زیر سے دل
نہ رہا زندہ و پاکنده تو کیا دل کی کشودا
ہے ابھی سینہ افلک میں پہاں وہ نوا
جس کی گرمی سے پکھل جائے ستاروں کا وجود
جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف سے پاک
اور پیدا ہو ایازی سے مقامِ محمود

مہ و انجمن کا یہ حیرت کدھ باقی نہ رہے
تو رہے اور ترا زمزمه لا موجود
جس کو مشرع سمجھتے ہیں فقیہان خودی
منتظر ہے کسی مطلب کا ابھی تک وہ سرودا

سرودِ حرام

نہ میرے ذکر میں ہے صوفیوں کا سوز و سورہ
نہ میرا فکر ہے پیانہ ثواب و عذاب
خدا کرے کہ اسے اتفاق ہو مجھ سے
فقیہ شہر کہ ہے محرم حدیث و کتاب
اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
حرام میری نگاہوں میں ناے و چنگ و رباب!

فوارہ

یہ آجھو کی روائی ، یہ ہمکناری خاک
 مری نگاہ میں ناخوب ہے یہ نظارہ
 ادھر نہ دیکھ ، ادھر دیکھ اے جوان عزیز
 بلند زورِ درُوں سے ہوا ہے فوارہ

شاعر

مشرق کے نیتاں میں ہے محتاجِ نفس نے
 شاعر ! ترے سینے میں نفس ہے کہ نہیں ہے
 تاثیرِ غلامی سے خودی جس کی ہوئی نرم
 آجھی نہیں اس قوم کے حق میں عجمی کے
 شیشے کی صراحی ہو کہ مٹی کا سبو ہو
 شمشیر کی مانند ہو تیزی میں تری کے

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے
بے مع رکہ ہاتھ آئے جہاں تخت جم و کے
ہر لحظہ نیا طور ، نئی برق تجھی
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے!

شعرِ عجم

ہے شعرِ عجم گرچہ طرب ناک و دل آویز
اس شعر سے ہوتی نہیں شمشیرِ خودی تیز
افرده اگر اس کی نوا سے ہو گلستان
بہتر ہے کہ خاموش رہے مرغ سحرِ خیز
وہ ضرب اگر کوہ شکن بھی ہو تو کیا ہے
جس سے متزلزل نہ ہوئی دولت پرویز
اقبال یہ ہے خارہ تراشی کا زمانہ
از ہر چہ بآئینہ نمایند ب پرہیز

ہنر و رانِ ہند

عشق و مستی کا جنازہ ہے تجھیں ان کا
ان کے اندیشہ تاریک میں قوموں کے مزار
موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں
زندگی سے ہنر ان برہمنوں کا بیزار
پشمِ آدم سے پھپاتے ہیں مقاماتِ بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ ، بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نولیں
آہ ! بیچاروں کے اعصاب پر عورت ہے سوار!

مرد بزرگ

اس کی نفرت بھی عمیق ، اس کی محبت بھی عمیق
قهر بھی اس کا ہے اللہ کے بندوں پر شفیق
پروش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں
ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق
انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمع محفل کی طرح سب سے جدا ، سب کا رفیق
مثلِ خورشیدِ سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ، معانی میں دقیق
اس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محروم نہیں پیران طریق

عالمِ نو

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیر تقدیر
خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر
اور جب بانگ اذان کرتی ہے بیدار اُسے
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا تغیر
بدن اس تازہ جہاں کا ہے اُسی کی کف خاک
روح اس تازہ جہاں کی ہے اُسی کی تغیر

ایجاد معانی

ہر چند کہ ایجاد معانی ہے خدا داد
کوشش سے کہاں مرد ہزر مند ہے آزادا
خون رگ معمار کی گرمی سے ہے تغیر
میخانہ حافظ ہو کہ بخانہ بہزاد

بے محنت پیغم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شرود تیشه سے ہے خاتہ فرہادا

موسیقی

وہ نغمہ سردیِ خونِ غزل سرا کی دلیل
کہ جس کو سن کے ترا چہرہ تاب ناک نہیں
نوا کو کرتا ہے موجِ نفس سے زہر آلود
وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں
پھر ا میں مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی چمن میں گریبانِ لالہ چاک نہیں

ذوقِ نظر

خودی بلند تھی اُس ٹوں گرفتہ چینی کی
کہا غریب نے جلااد سے دم تعزیز

نہ سہر نہ سہر کہ بہت دل کشا ہے یہ منظر
ذرا میں دیکھ تو لوں تاب ناکی شمشیر!

شعر

میں شعر کے اسرار سے محرم نہیں لیکن
یہ نکتہ ہے ، تاریخِ ام جس کی ہے تفصیل
وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے
یا نغمہِ جبریل ہے یا بانگِ سرافیل!

رقص و موسیقی

شعر سے روشن ہے جانِ جبریل و اہمُن
رقص و موسیقی سے ہے سوز و سرورِ انجمان
فاش یوں کرتا ہے اک چینی حکیم اسرارِ فن
شعر گویا روحِ موسیقی ہے ، رقص اس کا بدن!

ضبط

طريقِ اہلِ دنیا ہے گلہ شکوہ زمانے کا
 نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شانِ درویشی
 یہ نکتہ پیر دانا نے مجھے خلوت میں سمجھایا
 کہ ہے ضبطِ فغاں شیری ، فغاں روپاہی و میشی!

رقص

چھوڑ یورپ کے لیے رقصِ بدن کے خم و چیج
 روح کے رقص میں ہے ضربِ سکیمِ اللہی!
 صلہ اس رقص کا ہے تنانگی کام و دہن
 صلہ اس رقص کا درویشی و شاہنشاہی!

سیاست

شرق و مغرب

اشتراكیت

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمی رفتار
اندیشہ ہوا شوئی افکار پر مجبور
فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار
انسان کی ہوس نے جنھیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدرج وہ اسرار
قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار
جو حرف 'قل' العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار!

کارل مارکس کی آواز

یہ علم و حکمت کی مہرہ بازی ، یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے دنیا کو اب گوارا پرانے افکار کی نمائش
تری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوطِ خم دار کی نمائش ، مریز و سچ دار کی نمائش
جهانِ مغرب کے بت کدوں میں ، کلیسیاؤں میں ، مدرسون میں
ہوس کی خون ریزیاں چھپاتی ہے عقلِ عتیار کی نمائش

انقلاب

نہ ایشیا میں نہ یورپ میں سوز و سازِ حیات
خودی کی موت ہے یہ ، اور وہ ضمیر کی موت
دلوں میں والوں انقلاب ہے پیدا
قریب آگئی شاید جہان پیر کی موت!

خوشنام

میں کارِ جہاں سے نہیں آگاہ ، ولیکن
اربابِ نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز
کر تو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشنام
دستورِ نیا ، اور نئے دور کا آغاز
معلوم نہیں ، ہے یہ خوشنام کہ حقیقت
کہہ دے کوئی آلو کو اگر رات کا شہپار!

مناصب

ہوا ہے بندہ مومن فسونی افرنگ
اسی سبب سے قلندر کی آنکھ ہے نم ناک
ترے بلند مناصب کی خیر ہو یارب
کہ ان کے واسطے تو نے کیا خودی کو ہلاک

مگر یہ بات چھپائے سے چھپ نہیں سکتی
سبھ گئی ہے اسے ہر طبیعت چالاک
شریک حکم غلاموں کو کر نہیں سکتے
خریدتے ہیں فقط ان کا جوہر اور اک!

یورپ اور یہود

یہ عیش فراواں ، یہ حکومت ، یہ تجارت
دل سینہ بے نور میں محرومِ تسلی
تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھویں سے
یہ وادی ایمن نہیں شایانِ تجلی
ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیب جواں مرگ
شاید ہوں کیسا کے یہودی متولی!

نفیات غلامی

شاعر بھی ہیں پیدا ، علماء بھی ، حکماء بھی
خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ
مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک
ہر ایک ہے گو شرح معانی میں یگانہ
بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رم آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند
تاویلِ مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

بلشو یک روس

روش قضاۓ الٰٰ کی ہے عجیب و غریب
خبر نہیں کہ ضمیر جہاں میں ہے کیا بات
ہوئے ہیں کسر چلپا کے واسطے مامور
وہی کہ حفظِ چلپا کو جانتے تھے نجات
یہ وجی دہریتِ روس پر ہوئی نازل
کہ توڑ ڈال گلیساں یوں کے لات و منات!

آج اور کل

وہ کل کے غم و عیش پر کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے!

مشرق

مری نوا سے گریبان لالہ چاک ہوا
 نیم صبح ، چمن کی تلاش میں ہے ابھی
 نہ مصطفی نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
 کہ روح شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی
 مری خودی بھی سزا کی ہے مستحق لیکن
 زمانہ دارو رن کی تلاش میں ہے ابھی

سیاست افرنگ

تری حریف ہے یارب سیاست افرنگ
 مگر ہیں اس کے پچاری فقط امیر و رئیس
 بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
 بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس!

خواجگی

دور حاضر ہے حقیقت میں وہی عہد قدیم
اہل تجداد ہیں یا اہل سیاست ہیں امام
اس میں پیری کی کرامت ہے نہ میری کا ہے زور
سینکڑوں صدیوں سے خوگر ہیں غلامی کے عوام
خواجگی میں کوئی مشکل نہیں رہتی باقی
پختہ ہو جاتے ہیں جب خونے غلامی میں غلام!

غلاموں کے لیے

حکمت مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے
ایک نکتہ کہ غلاموں کے لیے ہے اکیر
دین ہو ، فلسفہ ہو ، فقر ہو ، سلطانی ہو
ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تغیر

حرف اس قوم کا بے سوز ، عمل زار و زیوں
ہو گیا پنٹہ عقائد سے تھی جس کا ضمیر!

اہل مصر سے

خود ابوالہول نے یہ نکتہ سکھایا مجھ کو
وہ ابوالہول کہ ہے صاحب اسرار قدیم
دفعۂ جس سے بدل جاتی ہے تقدیرِ اُم
ہے وہ قوت کہ حریف اس کی نہیں عقل حکیم
ہر زمانے میں دگر گوں ہے طبیعت اس کی
کبھی شمشیرِ محمد ہے ، کبھی چوب کلیم!

ابی سینیا

(۱۹۳۵ء)

یورپ کے کرگوں کو نہیں ہے ابھی خبر
ہے کتنی زہر ناک ابی سینیا کی لاش
ہونے کو ہے یہ مردہ دیرینہ قاش قاش!
تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
ہر گرگ کو ہے بڑہ معصوم کی تلاش!
اے وائے آبروئے کلیسا کا آئندہ
روما نے کر دیا سر بازار پاش پاش
پیر کلیسا! یہ حقیقت ہے دخراش!

ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام☆

لا کر برہمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زنانہ یوں کو دریہ گھن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخلیقات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہل حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزار ختن سے نکال دو

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چن سے نکال دوا

☆: بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

جمعیتِ اقوامِ مشرق ☆

پانی بھی مخت رہے ، ہوا بھی رہے مخت
کیا ہو جو نگاہِ فلک پیر بدل جائے
دیکھا ہے ماوکیتِ افرنگ نے جو خواب
ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہران ہو گر عالمِ مشرق کا جینوا
شاید کردہ ارض کی تقدیر بدل جائے!

☆: بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

سلطانی جاوید

خواص تو فطرت نے بنایا ہے مجھے بھی
لیکن مجھے اعماق سیاست سے ہے پرہیز
فطرت کو گوارا نہیں سلطانی جاوید
ہر چند کہ یہ شعبدہ بازی ہے دل آویز
فرہاد کی خارا شکنی زندہ ہے اب تک
باقی نہیں دنیا میں ملوکیت پرویزا

جمهوریت

اس راز کو اک مرد☆ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے

☆ استاذ وال

جمهوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں ، تو لا نہیں کرتے!

یورپ اور سوریا

فرنگیوں کو عطا خاک سوریا نے کیا
نبی عفت و غم خواری و کم آزاری
صلہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کے لیے
ئے و قمار و ہجوم زنان بازاری!

مسولینی☆

(اپنے مشرقی اور مغربی حریفوں سے)

کیا زمانے سے نرالا ہے مسولینی کا جرم!
بے محل بگرا ہے معصومان یورپ کا مزاج

میں پھلتا ہوں تو چلنی کو برا لگتا ہے کیوں
ہیں سمجھی تہذیب کے اوزار ! تو چلنی ، میں چھانج
میرے سودائے ملوکت کو ٹھکراتے ہو تم
تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے زجاج؟
یہ عجائب شعبدے کس کی ملوکت کے ہیں
راجدھانی ہے ، مگر باقی نہ راجا ہے نہ راج
آل سینر چوب نے کی آبیاری میں رہے
اور تم دنیا کے بخربھی نہ چھوڑو بے خراج!
تم نے لوئے بے نوا صحراء نشینوں کے خیام
تم نے لوئی کشت دہقاں ، تم نے لوئے تخت و تاج
پرداہ تہذیب میں غارت گری ، آدم گشی
کل رو رکھی تھی تم نے ، میں رو رکھتا ہوں آج!

گلہ

معلوم کے ہند کی تقدیر کہ اب تک
 بیچارہ کسی تاج کا تابندہ نہیں ہے
 دہقاں ہے کسی قبر کا اگلا ہوا مردہ
 بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیر زمیں ہے
 جاں بھی گروغیر، بدن بھی گروغیر
 افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ نکیں ہے
 یورپ کی غلامی پر رضا مند ہوا تو
 مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے، یورپ سے نہیں ہے!

انتداب

کہاں فرشتہ تہذیب کی ضرورت ہے
 نہیں زمانہ حاضر کو اس میں دشواری

جہاں قمار نہیں ، زن بیگ لباس نہیں
 جہاں حرام بتاتے ہیں شغل مے خواری
 بدن میں گرچہ ہے اک روح ناشکیب و عمیق
 طریقہ آب و جد سے نہیں ہے پیزاری
 جسور و زیرک و پُرم ہے بچہ بدوسی
 نہیں ہے فیض مکاتب کا پشمہ جاری
 نظرورانِ فرنگی کا ہے بھی فتویٰ
 وہ سرزیں مدحت سے ہے ابھی عاری!

لادین سیاست

جو بات حق ہو ، وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی
 خدا نے مجھ کو دیا ہے دل خبیر و بصیر
 مری نگاہ میں ہے یہ سیاست لا دیں
 کنیز اہم من و دوں نہاد و مردہ ضمیر

ہوئی ہے ترک کلیسا سے حاکمی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے وہ بے زنجیر
متاع غیر پر ہوتی ہے جب نظر اس کی
تو یہیں ہراول شکر کلیسا کے سفیرا

دام تہذیب

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے
ہر ملت مظلوم کا یورپ ہے خریدار
یہ پیر کلیسا کی کرامت ہے کہ اس نے
بجلی کے چراغوں سے منور کیے افکار
جلتا ہے مگر شام و فلسطین پر مرا دل
تدیر سے کھلتا نہیں یہ عقدہ دشوار
ثرکانِ بغا پیشہ کے پنج سے نکل کر
بیچارے یہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار!

نصیحت

اک اُرڈ فرنگی نے کہا اپنے پر سے
منظرا وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر
بیچارے کے حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم
ہے پہ اگر فاش کریں قاعدہ شیر
سینے میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے ، اسے پھیر
تاشیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیرا

ایک بھری قزاق اور سکندر

سکندر

صلہ تیرا تری زنجیر یا شمشیر ہے میری
کہ تیری رہنی سے نگ ہے دریا کی پہنائی!

قزاق

سکندر ! حیف ، تو اس کو جواں مردی سمجھتا ہے
گوارا اس طرح کرتے ہیں ہم چشمون کی رسوانی؟
ترا پیشہ ہے سفاکی ، مرا پیشہ ہے سفاکی
کہ ہم قزاق ہیں دونوں ، تو میدانی ، میں دریائی!

جمعیت اقوام

بیچاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خبر بد نہ مرے منہ سے نکل جائے
تقدیر تو میرم نظر آتی ہے ولیکن
پیران کیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ یہ داشتہ پیرک افرنگ
البیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے!

شام و فلسطین

رندانِ فرانسیس کا میخانہ سلامت
پُر ہے مئے گلرنگ سے ہر شیشه حاب کا
ہے خاکِ فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا

مقصد ہے ملکوئیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں نارنج کا یا شہد و رطب کا

سیاسی پیشوایا

امید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خاک باز ہیں ، رکھتے ہیں خاک سے پوند
ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے ان کی
جہاں میں صفت علگبوت ان کی کمند
خوشا وہ تفالفہ ، جس کے امیر کی ہے متاع
تخیلِ ملکوتی و جذبہ ہائے بلند!

نفیاتِ غلامی

سخت باریک ہیں امراض اُم کے اسہاب
کھول کر کہیے تو کرتا ہے بیان کوتاہی

دین شیری میں غلاموں کے امام اور شیوخ
دیکھتے ہیں فقط اک فلسفہ رُبایہ
ہو اگر قوتِ فرعون کی در پرده مرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ سکلیم اللہی!

غلاموں کی نماز

(ترکی و فرنگی احمد را ہور میں)

کہا مجہد ٹرکی نے مجھ سے بعد نماز
طویل سجدہ ہیں کیوں اس قدر تمھارے امام
وہ سادہ مردِ مجہد ، وہ مومن آزاد
خبر نہ تھی اُسے کیا چیز ہے نمازِ غلام
ہزار کام ہیں مردانِ خُر کو دنیا میں
انھی کے ذوقِ عمل سے ہیں اُنھوں کے نظام

بدن غلام کا سوز عمل سے ہے محروم
کہ ہے مردُر غلاموں کے روز و شب پر حرام
طويل سجده اگر یہ تو کیا تجھت ہے
ورائے سجده غریبوں کو اور کیا ہے کام
خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو
وہ سجده جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام!

فاسطینی عرب سے

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
تری دوا نہ خیوا میں ہے ، نہ لندن میں
فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے
نا ہے میں نے ، غلامی سے اُتوں کی نجات
خودی کی پورش و لذتِ نمود میں ہے!

مشرق و مغرب

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید
 وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ جمہوری
 نہ مشرق اس سے بُری ہے ، نہ مغرب اس سے بُری
 جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری

نفیاتِ حاکمی

(اصلاحات)

یہ مہر ہے بے مہری صیاد کا پروہ
 آئی نہ مرے کام مری تازہ صفیری
 رکھنے لگا مرجھائے ہوئے پھول قفس میں
 شاید کہ ایروں کو گوارا ہو ایسری!

محرابِ^{گل} افغان

کے

افکار

محرابِ گل افغان کے افکار

(۱)

میرے کہتاں! تجھے چھوڑ کے جاؤں کہاں
تیری چٹانوں میں ہے میرے آب و جد کی خاک
روز ازل سے ہے تو منزل شاہین و چرغ
لالہ و گل سے تھی ، نغمہ بُلبُل سے پاک
تیرے خم و چیق میں میری بیشست بریں
خاک تری عنبریں ، آب ترا تاب ناک

باز نہ ہوگا کبھی بندہ کب و حمام
 حفظِ بدن کے لیے روح کو کردوں ہلاک!
 اے مرے فقر غیور! فیصلہ تیرا ہے کیا
 خلعتِ انگریز یا پیرین چاک چاک!

(۲)

حقیقتِ ازلی اقوام رقابت ہے
 نگاہ پیرِ فلک میں نہ میں عزیز، نہ تو
 خودی میں ذوب، زمانے سے نا امید نہ ہو
 کہ اس کا زخم ہے درپرداہ اہتمام رفو
 رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و کیتا
 اُتر گیا جو ترے دل میں لا شریک لہ

(۳)

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
 مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ ٹو بدل جائے
 تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
 عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بدل جائے
 وہی شراب ، وہی ہائے و ہو رہے باقی
 طریق ساقی و رسم کدو بدل جائے
 تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
 مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے!

(۴)

کیا چرخ کج رو ، کیا مہر ، کیا ماہ
 سب را ہرو ہیں واماندہ

کڑکا سکندر بھلی کی مانند
تجھ کو خبر ہے اے مرگ ناگاہ
ناور نے لوٹی دل کی دولت
اک ضرب شمشیر ، افسانہ کوتاہ
افغان باقی ، کھسار باقی
اُحلم اللہ ! الْمَلِك لَهُ
 حاجت سے مجبور مردان آزاد
کرتی ہے حاجت شیروں کو رُوباہ
محرم خودی سے جس دم ہوا فقر
تو بھی شہنشاہ ، میں بھی شہنشاہ!
قوموں کی تقدیر وہ مرد درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ

(۵)

یہ مدرسہ یہ کھیل یہ غوغائے روازو
اس عیش فراؤں میں ہے ہر لحظہ غم نو
وہ علم نہیں ، زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کف ہو
ناداں ! ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں ہے
اسباب ہنر کے لیے لازم ہے تگ و دو
فطرت کے نوامیں پہ غالب ہے ہنر مند
شام اس کی ہے مانند سحر صاحب پڑو
وہ صاحبِ فن چاہے تو فن کی بُرکت سے
پہنچے بدن مہر سے شبنم کی طرح شو!

(۶)

جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ
تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ
اس قوم کو تجدید کا پیغام مبارک!
ہے جس کے تصور میں فقط بزم شبانہ
لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازہ تجدید
مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

(۷)

رومی بدے ، شامی بدے ، بدلا ہندستان
تو بھی اے فرزید گہتاں! اپنی خودی پہچان
اپنی خودی پہچان
اوغافل افغان!

موسم اچھا ، پانی وافر ، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا ، وہ کیسا دہقان
اپنی خودی پہچان
اوغافل افغان!

اوپنجی جس کی لہر نہیں ہے ، وہ کیسا دریاۓ
جس کی ہوا نہیں شند نہیں ہیں ، وہ کیسا طوفان
اپنی خودی پہچان
اوغافل افغان!

ڈھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ

اس بندے کی دہقانی پر سلطانی قربان

اپنی خودی پہچان

اوغا نفل افغان!

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علوم کی لاج

علم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

اپنی خودی پہچان

اوغا نفل افغان!

(۸)

زانگ کہتا ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر

شپرک کہتی ہے تجھ کو کور چشم و بے بہتر

لیکن اے شہباز! یہ مرغانِ صحرا کے اچھوت

ہیں فضائے نیلگاؤں کے بیچ و خم سے بے خبر

ان کو کیا معلوم اُس طائر کے احوال و مقام

روح ہے جس کی دم پرواز سر تا پا نظر!

(۹)

عشق طینت میں فرمایہ نہیں مثل ہوں
پر شہباز سے ممکن نہیں پرواز مگس
یوں بھی دستور گلتاں کو بدل سکتے ہیں
کہ نشین ہو عنادل پر گراں مثل قفس
سفر آمادہ نہیں منتظر بانگِ ریل
ہے کہاں قافلہِ موج کو پرواۓ جرس!
گرچہ مکتب کا جواں زندہ نظر آتا ہے
مردہ ہے ، مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس
پورش دل کی اگر مدد نظر ہے جھ کو
مردِ مومن کی نگاہِ غلط انداز ہے بس!

(۱۰)

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ ، ضرب ہے کاری
اگر ہو جنگ تو شیران غاب سے بڑھ کر
اگر ہو صلح تو رعناء غزال تاتاری
عجب نہیں ہے اگر اس کا سوز ہے ہمہ سوز
کہ نیتاں کے لیے بس ہے ایک چنگاری
خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانی
کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و گزاری
نگاہ کم سے نہ دیکھ اس کی بے گلاہی کو
بے بے گلاہ ہے سرمایہ گلہ داری

(۱۱)

جس کے پرتو سے متواری تیری شبِ دوش
 پھر بھی ہو سکتا ہے روشن وہ چدائی خاموش
 مرد بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گلمہ
 بندہ خر کے لیے نظرِ تقدیر ہے نوش
 نہیں ہنگمہ پیکار کے لاائق وہ جواں
 جو ہوا نالہ مرغانِ سحر سے مدھوش
 مجھ کو ڈر ہے کہ ہے طفانِ طبیعت تیری
 اور عتیار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش!

(۱۲)

لا دینی و لاطینی ، کس یقیں میں الجھا تو
 دارو ہے ضعیفوں کا گاغا بے الہ ہو،

صیاد معانی کو یورپ سے ہے نومیدی
 دکش ہے فضا ، لیکن ہے نافہ تمام آہو
 ہے اشک سحر گاہی تقویم خودی مشکل
 یہ اللہ پیکانی خوشن ہے کنار بُو
 صیاد ہے کافر کا ، نجیب ہے مومن کا
 یہ قیر کہن یعنی بتخانہ رنگ و بو
 اے شیخ ، امیروں کو مسجد سے نکلا دے
 ہے ان کی نمازوں سے محرب ٹرش ابرو

(۱۳)

مجھ کو تو یہ دنیا نظر آتی ہے ڈرگوں
 معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا
 ہر سینے میں اک صحیح قیامت ہے نمودار
 افکار جوانوں کے ہوئے زیر و زبر کیا

کر سکتی ہے بے معركہ جینے کی تلافی
 اے پیر حرم تیری مناجات سحر کیا
 ممکن نہیں تخلیقِ خودی خانقوں سے
 اس شعلہ نم خورده سے ٹوٹے گا شر کیا!

(۱۲)

بے جرأتِ رندانہ ہر عشق ہے رُوبائی
 بازو ہے قوی جس کا ، وہ عشقِ یَدِ اللہِ
 جو سختیِ منزل کو سامانِ سفر سمجھے
 اے وائے تن آسانی ! ناپید ہے وہ راہی
 وحشت نہ سمجھ اس کو اے مردکِ میدانی!
 کہسار کی خلوت ہے تعلیمِ خود آگاہی
 دنیا ہے روایاتی ، عقیمی ہے مناجاتی
 در باز دو عالم را ، این است شہنشاہی!

(۱۵)

آدم کا ضمیر اس کی حقیقت پر ہے شاہد
مشکل نہیں اے سالکِ رہ ! علم فقیری
فولاد کہاں رہتا ہے شمشیر کے لاک
پیدا ہو اگر اس کی طبیعت میں حریری
خود دار نہ ہو فقر تو ہے قبرِ الہی
ہو صاحبِ غیرت تو ہے تمہیدِ امیری
افرنگ ز خود بے خبرت کرد وگرنہ
اے بندۂ مومن ! تو بشیری ، تو نذری!

(۱۶)

قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے ، خدائی!

جو فقر ہوا تھی دوران کا گلہ مند
 اس فقر میں باقی ہے ابھی بُوئے گدائی
 اس دور میں بھی مرد خدا کو ہے میسر
 جو مجرہ پربت کو بنا سکتا ہے رائی
 در معركہ بے سوز تو ذوق نتوان یافت
 اے بندہ مومن تو کجائی ، تو کجائی
 خورشید ! سرا پردا مشرق سے نکل کر
 پہنا مرے کھسار کو ملبوس حنائی

(۱۷)

آگ اس کی پھونک دیتی ہے بُرنا و پیر کو
 لاکھوں میں ایک بھی ہو اگر صاحبِ یقین
 ہوتا ہے کوہ و دشت میں پیدا کبھی کبھی
 وہ مرد جس کا فقر خزف کو کرے نگیں

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ
 خالی رکھی ہے خالہ حق نے تری جبیں
 یہ نیلگوں فضا جسے کہتے ہیں آسمان
 بہت ہو پر گشا تو حقیقت میں کچھ نہیں
 بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسمان
 زیر پر آگیا تو یہی آسمان ، زمین!

(۱۸)

یہ نکتہ خوب کہا شیر شاہ سوری نے
 کہ امتیاز قبائل تمام تر خواری
 عزیز ہے انھیں نام وزیری و محسود
 ابھی یہ خلعتِ افغانیت سے ہیں عاری
 ہزار پارہ ہے کھسار کی مسلمانی
 کہ ہر قبیلہ ہے اپنے بتوں کا ڈناری

وہی حرم ہے ، وہی اعتبار لات و منات
خدا نصیب کرے تھہ کو ضربت کاری!

(۱۹)

نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہچانے
نگاہ وہ ہے کہ محتاجِ مہر و ماہ نہیں
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن
قدم اٹھا! یہ مقامِ انتہائے راہ نہیں
کھلے ہیں سب کے لیے غریبوں کے میخانے
علومِ تازہ کی سرمستیاں گناہ نہیں
اسی سورہ میں پوشیدہ موت بھی ہے تری
ترے بدن میں اگر سوزِ لا الہ نہیں
سینیں گے میری صداغاںزاد گانِ کبیر؟
گلگیم پوش ہوں میں صاحبِ کلاہ نہیں!

(۲۰)

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندہ صحرائی یا مرد کہستانی
دنیا میں محاسب ہے تہذیب فسوس گر کا
ہے اس کی فقیری میں سرمایہ سلطانی
یہ حسن و لطافت کیوں ؟ وہ قوت و شوکت کیوں
بلبل چمنتائی ، ، شہباز بیابانی!
اے شیخ ! بہت اچھی مکتب کی فضا ، لیکن
بنتی ہے بیباں میں فاروقی و سلمانی
صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حریف اس کا
تموار ہے تیزی میں صہبائے مسلمانی!
